مدارس کی ضرورت..........کیوں؟

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

جنوبی ایشیا پر برطانوی استعمار کے تسلط اور تاج برطانیہ کی حکومت قائم ہونے کے بعد جب یہاں کے صدیوں سے چلے آنے والے نظام تعلیم کو ختم کردیا گیا تو اس نظام تعلیم سے وابستہ افراد نے اسے باقی رکھنے کے لئے عوام کے تعاون سے ایک نئے تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی جو رضا کارانہ اور پرائیویٹ تھا کیونکہ اگرچہ ریاستی طور پر عدالتی اور دفتری نظام کی مکمل تبدیلی اور نئے نظام کے نافذ ہوجانے کی وجہ سے اس حوالہ سے اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن عام مسلمانوں کے دین کے ساتھ تعلق کو باقی رکھنے، انہیں ان کے عقیدہ کے مطابق دین کی تعلیم اور تربیت فراہم کرنے اور زندگی کے انفرادی، خاندانی اور معاشرتی مسائل میں ان کی دینی راہنمائی کے لئے اس نظام تعلیم کی ضرورت بدستور موجود تھی کیونکہ اس نظام تعلیم کے خدانخواستہ مکمل خاتمہ کی صورت میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ مسلمان اپنے مذہب اور دین سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے مسلمانوں کے مذہب اور کلچر کے تحفظ اور ماضی کے ساتھ ان کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے پرائیویٹ سطح پر اس نظام تعلیم کو دوبارہ استوار کیا گیا اور ۱۸۶۵ء میں دیوبند کے قصبہ سے اس کا آغاز ہوا جس کے بعد جنوبی ایشیاء کے طول وعرض میں اسی ضرورت کے تحت ہر جگہ لوگوں نے مدارس قائم کئے، اور ابھی تک ان کا سلسلہ نہ صرف جاری ہے بلکہ اس کا دائرہ دن بدن پھیلتا جارہا ہے۔

ان مدارس کے لئے یہ پالیسی اور حکمت عملی طے کی گئی کہ یہ عام مسلمانوں کے رضا کارانہ تعاون سے چلائے جائیں گے۔ حکومت سے کوئی امداد نہیں لی جائے گی اور نہ ہی مستقل طور پر کوئی ذریعہ آمدنی اختیار کیا جائے گا تاکہ عام آدمی کا ان مدارس کے ساتھ اور مدارس کا عام آدمی کے ساتھ تعلق قائم رہے اور یہ بھی طے کیا گیا کہ انتہائی سادگی اور قناعت کے ماحول میں دینی تعلیمات اور اسلامی طرز معاشرت کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

ان مدارس کے نظام تعلیم کا بنیادی ہدف یہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ عام مسلمانوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے امام وخطیب، قرآن کریم کی تعلیم کے لئے حافظ وقاری اور اسی طرح دینی مدارس میں اسلامی علوم کی تعلیم کے لئے مدرسین اور سوسائٹی کی دینی راہنمائی کے لئے علماء کرام میسر آتے رہیں، اس لئے حکمت عملی کے

تحت یہ طے پایا کہ ان میں صرف وہی کچھ پڑھایا جائے گا جس کی اس دائرے میں ضرورت ہوگی۔ چنانچہ عصری علوم کو ان کے نصاب سے الگ رکھا گیا۔ اس لئے نہیں کہ ان علماء کو عصری تعلیم کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اس لئے کہ جن اہداف ومقاصد کے لئے ان مدارس میں لوگوں کو تعلیم دی جارہی ہے وہ ان کی لائن سے ہٹ نہ جائیں اور سوسائٹی میں مسجد ومدرسہ کے ادارہ کو حسب ضرورت افرادِ کار ملتے رہیں جبکہ عصری تعلیم کے لئے ملک میں دیگر بہت سے ادارے موجود تھے جو اپنا کام بخوبی کررہے تھے۔ اپنے ان اہداف میں یہ مدارس نہ صرف یہ کہ کامیاب رہے بلکہ مسلسل پیش رفت کررہے ہیں اور صرف جنوبی ایشیاء میں نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے دیگر ممالک اور علاقوں میں بھی ان مدارس کے تعلیم یافتہ حضرات امامت، خطابت، تدریس اور دینی راہنمائی کے فرائض سرانجام دینے میں مصروف ہیں اور عام مسلمان کا دینی تعلیمات کے ساتھ رشتہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مسلسل اس بات کی کوشش کی گئی کہ مدارس کے اس نظام کو اجتماعی دھارے میں شامل کرنے کے عنوان سے سرکاری کنٹرول میں لیا جائے لیکن ہر دور میں ان مدارس نے نہ صرف یہ کہ اس تجویز کو قبول نہیں کیا بلکہ ایسی ہر کوشش کی مزاحمت بھی کی جس کی وجہ سے یہ مدارس اب بھی آزادانہ ماحول میں مکمل انتظامی اور مالیاتی خودمختاری کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

سرکاری کنٹرول اور مداخلت کو قبول نہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان مدارس کو خطرہ ہے کہ اجتماعی دھارے کے نام پر ان کے تعلیمی تشخص کو ختم کردیا جائے گا اور وہ اپنی تعلیم وتربیت کا وہ ماحول قائم نہیں رکھ سکیں گے جو ان کے نزدیک ان کی دینی ذمہ داری ہے اور وہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اور قوم دونوں کے سامنے مجرم بنیں گے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ماضی میں بہت سے دینی تعلیمی اداروں کو ان کا نظام بہتر بنانے کے عنوان سے سرکاری تحویل میں لیا گیا مگر وہ آہستہ آہستہ اپنے تعلیمی تشخص اور دینی کردار سے محروم ہوگئے۔ ان میں بطور مثال جامعہ عباسیہ بہاولپور اور جامعہ عثمانیہ اوکاڑہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

جبکہ تیسری وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس یہ دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ عالمی تہذیبی کشمکش میں اسلامی تعلیمات و عقائد اور تہذیب وتمدن کو مسلسل نشانہ بنایا جارہا ہے اور مسلمانوں کو اس سے ہٹانے کی کوشش کی جارہی ہے اس لئے دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ دینی مدارس کے حوالہ سے اصلاحات کے نعرے کو بھی اسی پس منظر میں دیکھتے ہیں اور اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں۔

دینی مدارس کو اپنے نظام ونصاب میں کسی ایسی ترمیم یا تبدیلی سے کبھی انکار نہیں رہا جو ان کے روایتی کردار اور تعلیمی تشخص کو بہتر بنانے کے لئے مفید ہو، اور ایسی ہر تجویز کو یہ دینی مدارس ہر دور میں قبول کرکے اپنے نظام کا حصہ بناتے چلے آرہے ہیں لیکن ایسی کوئی تجویز اور اصلاح ان کے لئے کسی بھی درجہ میں قابل قبول نہیں ہے جس سے ان کے تعلیمی اہداف اور تشخص میں فرق پڑتا ہو، یا ان کے اس آزادانہ تعلیمی کردار کی حیثیت مجروح ہوتی ہو جسے وہ مسلمان معاشرہ میں دینی تعلیم اور راہنمائی کے حوالہ سے اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

اس مجموعی پالیسی کو ملک بھر کے دینی مدارس اور تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس کے وفاقوں کی اجتماعی حمایت حاصل ہے اور ملک کے عوام بھی یہی چاہتے ہیں کہ مسجد ومدرسہ کا ادارہ پوری آزادی، اعتماد اور خودمختاری کے ساتھ اپنا کردار ادا کرتا رہے کیونکہ وہ موجودہ عالمی تہذیبی کشمکش کے تناظر میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا تحفظ وبقا، عام مسلمان کا اسلامی عقائد وتعلیمات اور تمدن وثقافت کے ساتھ تعلق برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر تصور کرتے ہیں۔